اشارات

خرم مراد

بلا مبالغہ آج [پاکستان کو] اپنی زندگی کے سب سے زیادہ خطرناک بحران کا سامنا ہے.... کوئی بھی ہوش مند یہ بازی لگانے کی جرات نہیں کر سکتا کہ اس بحران کی قیمت ' آج اور مستقبل میں 'کتنی بھیانک ادا کرنا ہوگی.... [اس بحران سے نکلنے کے لیے حسب معمول جو تدابیر اختیار کی جائیں گی ' وہ] ہمیں کس آتش فشاں تک لے جائیں گی ' اس کے تصور سے ہی دل کانپ اٹھتا ہے۔ (ترجمان القرآن ، اگست ۹۳)

۱۷ ماہ پیشتر یہ سطور لکھتے وقت یہ گمان نہ تھا کہ ایسا اتنی جلد ہو جائے گا! مگر آج ہمیں ایسے آتش فشاں پر لاکھڑا کیا گیا ہے جس کے گرم گرم لاوے کی حرارت ہر درد مند پاکستانی کا دل پگھلائے دے رہی ہے۔ قوم کے لیڈر قومی زندگی کی رگ رگ میں عدم رواداری 'نفرت ' محاذ آرائی ' گالی گلوچ ' تشدد اور قتل و خوں ریزی کا زہر ایک عرصہ سے گھولتے رہے ہیں 'مگر گذشتہ چند برسوں میں وہ اس تیز رفتاری سے بڑھا ہے کہ آج جسد قومی کے بند بند سے خون رس رہا ہے۔ سیاسی نظام 'انتقام ' نفرت اور ہوس اقتدار کی ضربوں کی تاب نہ لا کر ٹوٹ پھوٹ رہا ہے ' اور حکومت کی گاڑی بمشکل گھسٹ رہی ہے۔ حکمران دونوں ہاتھوں سے قومی دولت لوٹ کھسوٹ کر اپنے پیٹوں میں انگارے بھرنے میں مصروف ہیں ' جب کہ عام آدمی کو دو وقت کی روٹی بھی میسر آنا مشکل ہو رہی ہے۔ کراچی جل رہا ہے ' وہاں روز لاشیں گر رہی ہیں ' روز اسکور بڑھ رہا ہے 'مگر ہمارے نیرو بانسری بجانے میں مگن ہیں۔ کشمیر ' ایٹمی صلاحیت اور معاشی آزادی جیسے اہم اور نازک قومی مفادات کو اسلحہ اور ڈالروں کے لالچ میں پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔ مذہبی فرقہ واریت کے علم برداروں کے ہاتھوں مسجدوں اور سڑکوں پر جو خون ریزی ہو رہی وہ بھی ایک بہت بڑا ناسور ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ اگرچہ سیاسی فرقہ واریت کے علم برداروں کے ہاتھوں مسجدوں اور سڑکوں پر جو خون ریزی ہو رہی وہ بھی ایک بہت بڑا ناسور ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ پھر بھی مذہبی فرقہ واریت کو مسئلہ نمبر ایک صرف اس لیے بنایا جا رہا ہے کہ حکمرانوں کی بداعمالیوں پر سے توجہ ہٹ جائے اور اسلام بھی بدنام ہو۔

اگرچہ سیاسی عدم استحکام برقرار رکھنے کی حد تک میاں نواز شریف اور مسلم لیگ بھی ذمہ دار ہیں، لیکن گذشتہ دنوں میں پوری قومی زندگی جس شدید ابتری کا شکار ہوئی ہے اس کے لیے اصل ذمہ داری محترمہ بے نظیر بھٹو اور پیپلز پارٹی کی ہے۔ لوٹ کھسوٹ ہمیشہ ہوتی رہی ہے، لیکن ان کی حکومتوں نے سارے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ گذشتہ حکومت کی جن بدعنوانیوں کو وہ ہدف تنقید بناتی رہی ہیں، وہی بدعنوانیاں اب کہیں زیادہ بڑے پیمانہ پر ہو رہی ہیں۔ ایک ایک سودے میں کروڑوں اور اربوں روپے کھائے گئے ہیں۔ اگر کہیں کسی کو سن گن مل گئی اور راز فاش ہو گیا، تو جھٹ اطمینان دلانے کے لیے تردید کر دی گئی، لیکن سودا ہو کر رہا۔ جھوٹ بولنے میں کسی کو کوئی عار نہیں۔ روزنامہ دی نیوز نے اس لوٹ مار کی ہوش ربا داستان بیان کی ہے۔

کراچی کی مظلوم، قیمتی زمین مسٹر بھٹو کے دور سے لٹائی جا رہی ہے۔ مشہور ہے کہ انھوں نے جام صادق علی سے کہا تھا کہ کم سے کم قائداعظم کا مزار اور میری کلفٹن کی رہائش گاہ کسی کو الاٹ نہ کرنا۔ میاں نواز شریف کے دور میں بھی یہی ہوتا رہا، اور محترمہ بے نظیر بھٹو بجاطور پر مذمت کرتی رہیں کہ اربوں روپے کی زمین کوڑیوں کے مول دی جا رہی ہے۔ برسراقتدار آتے ہی ان کے وزیر اعلیٰ، عبد اللہ شاہ نے پہلے تو سارے پرانے الاٹمنٹ منسوخ کیے، لیکن چند ہی دن بعد ایک طرف وہی الاٹمنٹ انھی پرانے افراد کے نام بحال کرنا شروع کر دیے، اور دوسری طرف نئے الاٹمنٹوں کا ایک تار بندھ گیا۔

۲۱ اپریل ۱۹۹۴ کو چھ غیر معروف افراد کو سپرہائی وے پر دس لاکھ مربع گز زمین، جس کی قیمت ۶۰۰ روپے مربع گز سے کم نہیں، ۲۵ روپے گز کے حساب سے الاٹ کی گئی۔ پھر ناقابل یقین کاروائی یہ ہوئی کہ چند دن بعد یہ بھی گھٹا کر دس روپیہ گز کر دی گئی۔ حکومت سندھ کو صرف ایک کروڑ روپے کی آمدنی ہوئی، مگر جو ہاتھ اس سودے کے پیچھے ہے اس نے کم سے کم ۶۰ کروڑ روپے بنا لیے۔

یہ ایک کروڑ روپیہ بھی بڑا "بھاری" نفع لگتا ہے ان ۴۰ ہزار روپوں کے مقابلے میں جو حکومت سندھ نے کورنگی انڈسٹریل ایریا میں چار لاکھ مربع کی قیمتی زمین بیچ کر کمائے۔ جس کی قیمت ۱۲۰۰ روپے گز سے کم نہیں، وہی زمین دس پیسے گز کے حساب سے اسی پارٹی کے نام بحال کر دی گئی جس کو مظفر حسین شاہ نے الاٹ کی تھی، اور اس نے کم سے کم ۴۰ کروڑ کی رقم نکالی۔

ایسا ہی معاملہ کلفٹن کے قریب ساڑھے تین لاکھ گز زمین کا ہوا۔ یہ زمین بھی پہلے مظفر حسین شاہ نے الاٹ کی تھی، مگر اس وقت صدر اسحاق خاں نے سودا منسوخ کرا دیا تھا۔ حکومت سنبھالتے ہی موجودہ وزیر اعلیٰ نے منسوخی کا حکم واپس لے لیا، اور کراچی پورٹ ٹرسٹ کو بھی اپنے اس دعوے سے دستبردار کرا دیا جو وہ اس زمین پر رکھتی تھی۔

سندھ کے بعد 'محترمہ بے نظیر کا بس اسلام آباد کی زمینوں پر چلتا ہے۔ انھوں نے اپنے پہلے دور اقتدار کے صرف ۲۰ ماہ میں اسلام آباد میں ۵۴۴۴ پلاٹ تقسیم کیے' جبکہ اس سے پہلے کے حکمرانوں نے ۱۱ سال میں صرف ۲۵۴ پلاٹ دیے تھے۔ لیک ویو ہوٹل کا سودا' وہ اپنی ناگہانی برطرفی کی وجہ سے نہ چکا سکی تھیں۔ اب پھر سی ڈی اے نے ۹۰ ہزار گز کی انتہائی بیش قیمت زمین 'کسی قیمت کے عوض نہیں' صرف منصوبہ میں شرکت کے عوض انٹر ہوٹل نامی کمپنی کو دے دی ہے۔

لوٹ مار کے مواقع زمینوں سے بڑھ کر تجارتی اور صنعتی سودوں میں زیادہ ہیں۔ رائس ایکسپورٹ کارپوریشن نے اچانک چار لاکھ ۵۰ ہزار ٹن چاول تین غیر ملکی کمپنیوں کو فروخت کر دیا۔ اس سے پہلے چاول ہر ہفتہ تھوڑی تھوڑی مقدار میں فروخت کیا جاتا تھا۔ جب یک دم اتنی بڑی مقدار فروخت کرنے کا اعلان ہوا تو اس پر احتجاج ہوا' وزیر تجارت نے اسمبلی میں نظر ثانی کی یقین دہانی کی' پھر چپکے سے یہ چاول اسی طرح' سارے احتجاجات کے باوجود' دو لاکھ ۱۰ ہزار ٹن گیہوں ۱۲۶ ڈالر فی ٹن کے حساب سے درآمد کیا گیا۔ جبکہ گورنمنٹ کی یوٹیلٹی کارپوریشن نے یہی گیہوں امریکا سے ۱۲۰ ڈالر کے حساب سے خریدا ہے۔ پانچ کروڑ اس سودے میں بن گئے۔

ییلو کیب کے ۲۰۰ ارب کے جواب میں سبز ٹریکٹر کی اسکیم میں ۶۰ ہزار ٹریکٹر فراہم کرنے کے لیے ۹۰۰ ارب روپیہ لگایا جا رہا ہے۔ اس سے لوگ کتنی بالائی اتاریں گے' اس کا کم سے کم تخمینہ بھی ہوش ربا ہے۔ مشرقی یورپ سے ڈیڑھ لاکھ روپے میں خریدے ہوئے ان ٹریکٹروں کی نہ کارکردگی آزمودہ ہے' نہ سروس کی سہولتوں کا کوئی انتظام۔ جو بات یقینی ہے وہ یہ کہ ملک کی ٹریکٹر سازی کی صنعت تباہ ہو جائے گی جو ۸۰ ہزار خاندانوں کو روزگار فراہم کرتی ہے۔ دوسری طرف صرف ۲۰ ہزار نقد دے کر خریدنے والوں سے قرضوں کی عدم وصولی بنکوں کی کمر توڑ کر رکھ دے گی۔

ہب پاور پلانٹ کی قیمت بارہ لاکھ ڈالر فی میگاواٹ دی جا رہی ہے' جبکہ دنیا بھر میں یہ قیمت چھ لاکھ ڈالر فی میگاواٹ سے زیادہ نہیں۔ یہ زائد رقم کون کون کھا رہا ہے' اس کی تفصیلات ایک راز ہیں۔

پاکستان ٹیلی کمیونی کیشنز کے واؤچرز کی پہلی قسط ۲۰ روپے کی انتہائی ارزاں قیمت پر فروخت کی گئی' اور فروخت کرتے ہی ان کی قیمت ۵۵ روپے تک پہنچ گئی۔ اس کے باوجود' ایک اہم اہم آدمی کی ہدایت پر' دوسری قسط بھی اسی ارزاں قیمت پر فروخت کرنے کا ٹھیکا خادم علی شاہ اینڈ کو کی معرفت سوئٹزرلینڈ کے یونین بنک کو دے دیا گیا۔ بہت شور و غل کے بعد مجبور ہو کر یہ فیصلہ واپس لینا پڑا۔

قومی بنکوں اور مالیاتی اداروں کے سربراہ بدل کر' ان کے ذریعہ جس طرح قومی دولت لوٹی جا رہی ہے' وہ اس داستان کا ایک اور المناک باب ہے۔ میاں نواز شریف کے خلاف بڑے بڑے الزامات میں

سے یہ بھی تھا کہ انھوں نے منشا گروپ کی آڑ میں مسلم کمرشل بنک پر قبضہ کر لیا ہے' لیکن اب منشا گروپ سے حکومت کی خوب گاڑھی چھن رہی ہے۔

اخباری اطلاع کے مطابق 'توکل گروپ نے قومی بنکوں سے ۲۵۰ کروڑ روپے دھوکہ دہی سے ہتھیا لیے ہیں۔ عین اس وقت جب میاں محمد شریف اور چودھری شجاعت حسین کو دھوکہ دہی اور عدم ادائیگی کے الزام میں گرفتار کیا جا رہا تھا' پیپلز پارٹی کا اہم اہم آدمی بنکوں کو ہدایت کر رہا تھا کہ توکل گروپ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ اس دھوکہ دہی میں یونائیٹڈ بنک کے ۱۱۰ کروڑ' نیشنل بنک کے ۶۴ کروڑ' مسلم کمرشل بینک کے ۲۲۶ کروڑ اور این ڈی ایف سی کے ۶۷ کروڑ ڈوب گئے ہیں۔

احتساب کی ساری کارروائی صرف سیاسی انتقام کی کارروائی ہے' اور ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے۔ کسی عام آدمی کو اس میں کوئی شک نہیں کہ بیوروکریٹ ہو یا جنرل' سیاست دان ہو یا تاجر' کوئی مجرم ہرگز سزا نہیں پائے گا۔ بنکوں کے نادہندگان کے خلاف کبھی کوئی کارروائی کیوں نہیں ہوتی؟ اس لیے کہ نادہندگان میں اپنوں کے چہرے بھی ہیں۔ میاں نواز شریف کے خلاف پلاٹوں کی اندھا دھند تقسیم کے الزام میں (جو غلط بھی نہیں) کیوں کارروائی نہیں ہوگی؟ اس لیے کہ اس میں وہ بھی ملوث ہیں جو آج ادھر ہیں' اور یہ ناجائز تقسیم آج بھی جاری ہے۔ مہران بنک کے اسکینڈل پر اتنا شور و غوغا ہوا کہ ہوائی لہریں بوجھل ہو گئیں اور اخبارات کے کالم کے کالم سیاہ ہو گئے۔ آج اس کا ذکر بھی سننے میں نہیں آتا' کیوں؟ اس لیے کہ جو آج حکمران ہیں' وہ بھی گلے گلے اس میں غرق ہیں۔ حکومت نے ۵۰۰ کروڑ خورد برد کرنے کے باوجود' یونس حبیب سے ایک خفیہ معاہدہ کر لیا ہے کہ وہ جوڈیشل کمیشن کے سامنے بیان میں حکومت کے کسی فرد کو ملوث نہیں کریں گے اور حکومت ان کے خلاف وہ ۱۲۴ مقدمے نہیں کرے گی جن کے لیے اس کے پاس ثبوت موجود ہیں۔

سرحد میں ہارس ٹریڈنگ کے ذریعہ صابر شاہ حکومت کو ختم کرنے کے لیے مہران بنک نے جو فنڈ فراہم کیے' ان کے بارہ میں میاں نواز شریف کے جاری کردہ ٹیپ صحیح ہیں' یہ رائے بہت سے باخبر لوگ دے چکے ہیں۔ لندن میں بیٹھے ہوئے' مہران بنک کے سابق ایگزیکٹو ڈائرکٹر حمید اصغر قدوائی کے پاس جو اس آپریشن کے انچارج تھے' اکاؤنٹ نمبر' چیک نمبر' تاریخ اور طریق ادائیگی کا مکمل ریکارڈ موجود ہے' جو وہ جوڈیشل کمیشن کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق دس کروڑ سے زائد رقم کی یہ ادائیگیاں آفتاب شیرپاؤ اور انور سیف اللہ کو ۲۲ نومبر ۱۹۹۳ کو شروع ہوئیں اور فروری / مارچ تک جاری رہیں۔ اس کے معاوضہ میں پاکستان اسٹیٹ آئل سے پانچ کروڑ' الائیڈ بنک سے دس کروڑ' واپڈا

سے ساڑھے سترہ کروڑ اور کراچی میونسپل کارپوریشن سے دس کروڑ روپے کی رقوم مہران بنک میں ڈیپازٹ کرائی گئیں (تین فی صد کمیشن کے مطالبہ کے ساتھ)' اسٹیٹ بنک سے معاملات درست کرائے گئے اور مہران بنک کو خریدنے کی بات چیت مکمل ہوئی۔ پبلک اداروں کی ۴۲ کروڑ کی یہ رقم اب واپس ملنے کا کوئی امکان نہیں۔

یہ وہی سیف اللہ' غلام اسحٰق خان کے داماد' ہیں جن کے خلاف خود پیپلز پارٹی نے اپنے ''پاکستان کی لوٹ مار'' نامی کتابچہ میں لکھا تھا: ''ان کی سیاسی موقع پرستی کی کوئی نظیر نہیں۔ یہ ہر حکومت کے وفادار رہے ہیں - اور اس وفاداری کے صلہ میں امیر سے امیر تر ہوتے رہے ہیں''۔ جو نواز شریف حکومت کے رکن رکین تھے' آج وہی بے نظیر حکومت کے ستون ہیں' اور وہ جو کل ان کے خلاف دنیا بھر میں پروپیگنڈا کر رہی تھیں آج وہی ان کی پاک دامنی کی قسم کھانے کو تیار ہیں۔

آج کے حکمران اگر یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ جس طرح حکومت چلا رہے ہیں اس طرح حکومت کچھ زیادہ عرصہ چل سکتی ہے' تو وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اور اگر وہ حقیقت حال سے آگاہ ہیں' تو جان بوجھ کر خودکشی کر رہے ہیں۔ سیاسی استحکام' صرف ملک کے نہیں' خود ان کے مفاد میں بھی تھا۔ لیکن انھوں نے محاذ آرائی کے جواب میں زیادہ جارحانہ محاذ آرائی کی روش اختیار کر لی ہے۔ احتساب کے نام پر وہ سیاسی انتقام لینے پر اتر آئے ہیں' اور میاں محمد شریف اور چودھری شجاعت کی گرفتاریوں جیسی انتہائی بچگانہ اور احمقانہ کارروائیاں کر رہے ہیں۔ اس طرح استحکام کی کوئی راہ کھل بھی سکتی تھی تو وہ مسدود ہو گئی ہے۔

سیاسی نظام میں اعلیٰ ترین ادارے قومی اسمبلی اور سینیٹ ہیں۔ انھیں باہمی جنگ و جدل کا اکھاڑہ بنا دینے میں اپوزیشن کا رول بھی کم قابل مذمت نہیں' لیکن ان کے احترام سے تو حکومت کا احترام' اور ان کی بقا سے حکومت کی بقا وابستہ ہے۔ مگر نہ حکومت کے وزرا اجلاس میں آتے ہیں نہ ممبرانؑ اور نہ پالیسیوں اور قانون سازی پر بحثوں کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ اور اب اسمبلی کے اسپیکر (جو پیپلز پارٹی ہی کے ہیں) اور سینیٹ کے چیئرمین کی رولنگ کے خلاف ''میں نہ مانوں'' کی روش ایک ایسی تباہ کن صورت حال کی طرف لے جا رہی ہے جس کا کوئی اندازہ شاید حکمرانوں کو نہیں ہے۔

عدلیہ پر ہر حکومت نے وار کیا ہے' لیکن اب موجودہ حکومت کی کارروائیوں نے اس کی عزت اور آزادی پر لوگوں کا اعتماد خاک میں ملا دیا ہے۔ ناپسندیدہ جج اور چیف جسٹس من مانے طریقوں سے ہٹا دیے گئے ہیں۔ انھیں شریعت کورٹ پہنچا کر بیکار محض بنا دیا گیا ہے۔ اپنی پسند اور مرضی کے جج اور چیف

جسٹس مقرر کیے گئے ہیں' جو مقرر ہوئے ہیں ان میں سے اکثر کی شہرت نااہلی کی ہے۔

حکومتی ذرائع ابلاغ ہمیشہ حکومتوں کے پروپیگنڈے کے لیے وقف رہے ہیں۔ آج بھی وہ قانون' انصاف اور اخلاق کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر پہلے سے کچھ زیادہ ہی حکمرانوں کے نقطہ نظر کی پروجیکشن میں مشغول ہیں۔ لیکن ان کی ساکھ اب بھی صفر ہے۔ اس پر مزید یہ کہ ان کو اسلامی تعلیمات و اقدار اور ثقافت کا مذاق اڑانے' ان کو ختم کرنے' اور ان کے خلاف رائے عامہ بنانے کے لیے بھی پورے دھڑلے سے استعمال کیا جا رہا ہے۔

کشمیر پاکستان کے لیے رگ جان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر وزیراعظم بول تو خوب رہی ہیں' لیکن کارکردگی پہلے کی طرح صفر یا منفی ہے۔ پہلے جنیوا میں قرارداد پیش کرنے کا تماشا افسوسناک انداز میں ختم ہوا۔ اب اقوام متحدہ میں بھی یہی انجام ہوا۔ جس قرارداد کو او آئی سی کے بیشتر ممالک کی تائید حاصل تھی' وہ راتوں رات صرف امریکی دباؤ کے تحت واپس لے لی گئی۔ اس کا اعتراف حامد ناصر چٹھہ صاحب نے بھی کیا ہے۔ سابق وزیراعظم بھی تیسرے آپشن کی بات کر رہے تھے' اور کیمپ بند کر رہے تھے۔ موجودہ وزیراعظم اسی راہ پر آگے بڑھتی جا رہی ہیں۔ ان کی نگاہیں ان امریکی ڈالروں ہی سے چکاچوند ہو رہی ہیں' جن کا ابھی دور دور پتا نہیں۔ ان سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کشمیر کا امریکی حل قبول کر لیں' جس کے تحت موجودہ کنٹرول لائن ہی سرحد بن جائے' یا بہت سے بہت شاید وادی کشمیر کو کچھ نیم خود مختار یا خود مختار حیثیت مل جائے۔ غزہ اور ویسٹ بنک میں ۱۹۱۹ کی لارڈ چمس فورڈ کی اصلاحات کے طرز پر آزاد میونسپل حکومت کا ماڈل سامنے موجود ہے ہی۔

وزیراعظم ایک سال کی مختصر مدت میں ۲۱ سے زیادہ بیرونی دورے کر چکی ہیں۔ کامیابی کے دل خوش کن ڈھنڈورے پیٹے جاتے ہیں۔ لیکن کسی قومی معاملہ پر' خصوصاً کشمیر پر' ہمارے تجارتی مفادات پر' ہماری حمایت اور پذیرائی میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ ہم اسی طرح تنہا ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ دوڑی دوڑی ہر ملک پہنچ جاتی ہیں' ایسے ملکوں میں بھی جہاں ہمارا کوئی سفارت خانہ تک نہیں۔ لیکن اس پورے عرصہ میں قازقستان کے صدر کے علاوہ کوئی سربراہ پاکستان نہیں آیا۔ ہاں' ڈالر کے وعدوں کا سیلاب ضرور آیا ہے۔

لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ اربوں ڈالر کے سبز باغ کیوں دکھائے جا رہے ہیں؟ ایک حد تک موجودہ حکومت کو سہارا دینے کے لیے' لیکن اس سے بڑھ کر ایٹمی صلاحیت کے لیے جواز ختم کرنے کے لیے۔ اگر یہ صلاحیت پرامن مقاصد اور بجلی کے لیے ہی مطلوب ہے' جیسا پاکستان کا دعویٰ ہے' تو اس کا انتظام تو کر دیا گیا ہے' پھر اس کی کیا ضرورت رہ گئی! نئے نیوکلیر عدم توسیعی معاہدہ میں صرف ہندوستان

اور اسرائیل کو استثنا دیا جائے گا' اور پاکستان کے سینہ پر پستول رکھ کر دستخط کرانے کی کوشش کی جائے گی۔ جو حکومت اپنے اقتدار کی بقا کے لیے خود کو امریکا کا محتاج سمجھے گی — اور موجودہ حکومت ایسا ہی سمجھتی ہے — پورا خدشہ ہے کہ وہ اس پستول کے آگے ہتھیار ڈال دے گی۔

ایک طرف کشمیر اور ایٹمی صلاحیت جیسے اہم قومی مفادات کے سر پر مہیب خطرات منڈلا رہے ہیں' دوسری طرف کراچی کی انتہائی مخدوش اور الم ناک کیفیت ملک کی روح اور مستقبل پر جو سائے ڈال رہی ہے وہ روز بروز تاریک سے تاریک ہوتے جا رہے ہیں۔ آزاد کراچی کی باتیں فضا میں بہت پھیلی ہوئی ہیں' لیکن ہمارے خیال میں فی الحال اس کا کوئی خاص امکان نہیں۔ یہ چرچا شاید قوم کو نفسیاتی دہشت میں مبتلا رکھنے کے لیے کیا جا رہا ہے' تاکہ اس کا دل اور پاؤں جمنے نہ پائیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ کراچی کو طویل عرصہ تک 'بیروت کی طرح باہم خون ریزی' اقتصادی و معاشرتی بدحالی کا شکار رکھ کے' غیر مستحکم رکھنے کی کوشش کی جاتی رہے گی۔ کیونکہ کراچی پاکستان کا بھی دروازہ ہے' اور وسط ایشیا کا بھی۔

کراچی میں یہی صورت حال برقرار رہی تو حکومت کا برقرار رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ لیکن اس کی بے حسی اور سنگ دلی — یا شاید حکمت عملی — وزیر تجارت جناب احمد مختار کے اس جملہ سے عیاں ہے کہ "یہ ایک کمیونٹی کے دو گروہوں کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے۔ لڑتے لڑتے تھک جائیں گے تو خود ہی صلح کے لیے آمادہ ہو جائیں گے۔"

فوجی آپریشن کے بارہ میں ہم نے جن خدشات کا اظہار کیا تھا (اشارات، جولائی ۹۲) بدقسمتی سے وہ سب صحیح ثابت ہوئے ہیں۔ کراچی اور فوج کے درمیان ایک خطرناک خلیج پیدا ہو گئی ہے' کراچی کا امن و امان تہہ و بالا ہو گیا ہے۔ کسی کی جان محفوظ نہیں' لوگ جان کے ڈر سے گھروں سے باہر نہیں نکلتے' شہر میں طوائف الملوکی کی کیفیت ہے' مختلف علاقوں میں مختلف گروہوں کے کلاشن کوف بردار نوجوانوں کی حکومت ہے۔ کیونکہ فوجی آپریشن ابھی جاری ہے اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب فوج کی اجازت کے بغیر ہو رہا ہے؟ یا فوج بے بس ہے؟ یا اس صورت حال کو حکومت کی رضامندی حاصل ہے؟

موجودہ صورت حال کا سب سے زیادہ تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ کوئی سنگین مسئلہ بظاہر حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ تجزیے بھی صحیح ہوتے ہیں' حل بھی موجود ہیں' اور برابر تجویز بھی کیے جا رہے ہیں' لیکن مسئلہ حل ہونا تو اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ایکٹر اپنا رول اور روش بدلنے کو تیار ہوں۔ جن کو بدلنا چاہیے اگر وہ نہیں بدلتے' تو صرف وعظ و نصیحت اور نیک تمناؤں اور امیدوں سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ یہی سنت الٰہی ہے' اسی پر تاریخ گواہ ہے۔ ان کے بدلنے کا امکان نظر نہیں آتا۔

اگر حزب اقتدار اور حزب اختلاف ایک دوسرے کو تسلیم کرنے کے بجائے باہم بر سرپیکار رہیں' تو کوئی نظام بھی نہیں چل سکتا۔ لیکن بے نظیر ہوں یا نواز شریف' جو اقتدار سے باہر ہو وہ دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں۔ جو بر سراقتدار ہو وہ دوسرے کو کچل کے ختم بھی نہیں کر سکتا' نہ اس کی مسلسل مزاحمت کے ساتھ حکومت چلا سکتا۔ دونوں کے سامنے وعظ کہا جا رہا ہے' مگر روش یہ ہو تو سیاسی تفرقہ بازی اور پولرائزیشن کیسے ختم ہو' اور حکومت کیسے چلے؟ کراچی میں بھی جنگ وجدل میں مصروف گروہ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر' اپنی انا اور ناجائز مطالبات ترک کر کے' کوئی متفقہ حل نکالنے کو تیار نہ ہوں' تو کاغذی حل سے بہتری کیسے ہو سکتی ہے۔

موجودہ حکومت کو ہٹانے میں کامیابی کا بھی کوئی امکان فی الحال نظر نہیں آتا۔ ایوان کے اندر تبدیلی تو اس وقت بھی ممکن نہ ہوئی جب صدر اور چیف آف اسٹاف دونوں میاں نواز شریف کی پشت پناہی کر رہے تھے' پھر آج کیسے ہو جائے گی جبکہ صدر پیپلز پارٹی کا ہے اور چیف آف اسٹاف عدم مداخلت اور غیر جانبداری کا دعویدار۔ ایوان کے باہر عوام کو اس طرح اور اتنی تعداد میں کھڑا کر دینا کہ حکومت کو جاتے ہی بن پڑے' نہ اب تک ممکن ہوا ہے نہ آیندہ ممکن نظر آتا ہے۔ ۱۹۶۹ اور ۱۹۷۷ میں بھی تبدیلی' زبردست عوامی احتجاجی تحریکوں کی وجہ سے نہیں' بلکہ اس لیے ممکن ہوئی کہ حکمران خود چلا گیا' یا اس کو فوج نے ہٹا دیا۔

موجودہ حکومت ہٹا کر انھی اسمبلیوں یا نئے انتخابات کے ذریعہ کوئی دوسری حکومت آبھی جائے' تو دور دور اس کا امکان نظر نہیں آتا کہ کوئی نمایاں بہتری پیدا ہوگی۔ وہی چہرے ہوں گے۔

سچی بات یہ ہے کہ ملک میں آج تک کوئی تبدیلی فوج کے بغیر نہیں ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۸' ۱۹۹۰ اور ۱۹۹۳ میں بھی' انتخابات کے باوجود' یہ فوج کا رول تھا جو تبدیلی کا باعث بنا۔ اسی لیے سیاست دان اور دانش ور تیسری قوت کے آجانے سے خبردار کر رہے ہیں' اور بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وہی مسئلہ کا حل ہے کیونکہ جمہوریت ناکام ہو چکی ہے۔ پاکستان میں مارشل لا کے امکان کو کسی وقت بھی مسترد تو نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اندرونی اور بیرونی صورت حال کو دیکھتے ہوئے' فوج کے لیے براہ راست عنان حکومت سنبھال لینا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ سنبھال بھی لے' تو عارضی طور پر حالات پر سکون کر دینے کے علاوہ وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ پاکستان میں جمہوریت ہی ناکام نظر نہیں آتی' مارشل لا اور شخصی آمریت کے تجربے بھی ناکام ہو چکے ہیں۔ کراچی میں فوجی آپریشن ہی یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ فوج مسائل کو حل کرنے کی کتنی صلاحیت رکھتی ہے۔

جو لوگ مسائل پیدا کر رہے ہیں' وہ انھیں حل کرنا چاہتے ہوں' اور اپنی من مانی کرنے اور قومی

دولت کو لوٹنے کے بجائے باہمی مشورہ اور امانت و دیانت اور عدل کے ساتھ کاروبار حکومت چلانا چاہتے ہوں' تو وہ مل بیٹھ کر موجودہ مسائل کا قابل اطمینان حل تلاش کر سکتے ہیں۔

حکمرانوں کو عدالتوں کے سامنے جواب دہ بنایا جاسکتا ہے۔ احتساب کے لیے بااختیار عدالتیں بنائی جاسکتی ہیں' جن کے پاس صرف حکومتیں ہی نہیں کوئی بھی شہری بمع ثبوت ریفرنس فائل کر سکتا ہو' جو خود اپنے طور پر کارروائی شروع کرنے کی مجاز ہوں' جن کو ہر ریکارڈ اور ہر معلومات حاصل کرنے کا اختیار ہو جو بشمول صدر اور وزیراعظم کسی بھی ریاستی عہدیدار کو طلب کر سکیں' جن کا طریق اسلامی اصولوں کے مطابق سادہ اور سستا ہو تاکہ طویل اور گراں قیمت عدالتی کارروائیوں سے نجات ملے' جنھیں ناجائز دولت ضبط کرنے کا بھی اختیار ہو۔ بڑے بڑے اقتصادی سودوں' منصوبوں اور زمینوں کی داد و دہش جیسے معاملات کو کسی خصوصی اقتصادی عدالت کے سامنے چیلنج کیے جانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حساس قومی امور پر فیصلے بھی مثلاً کشمیر' ایٹمی صلاحیت' بیرونی سرمایہ کاری کے بڑے بڑے معاہدے --- کسی ایسی ہی کمیٹی کے سپرد کیے جاسکتے ہیں۔

تجاویز برابر آ رہی ہیں' ہم بھی تجویز دے سکتے ہیں۔ ہر تجویز کی زد کسی گروہ کے مفاد پر پڑے گی۔ اس لیے جب تک مقتدر سیاسی قوتیں خود حل تلاش کرنے میں مخلص نہ ہوں' تجاویز سے کچھ نہیں بنے گا' مگر ان کا حال یہ ہے کہ "ہر گروہ اپنے موقف اور روش پر اٹل اور اسی میں مگن ہے' کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ" اور "ہر ایک اپنے برے اعمال کے پیچھے دل و جان سے لگا ہوا ہے' اس کو وہی اچھے نظر آتے ہیں اور باقی سب غلط' اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا" اس لیے کہ ان کے سامنے صرف اپنی خواہشات ہیں' وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ۔

صحیح بات یہ ہے کہ اگر بحر و بر میں فساد لوگوں کے اعمال بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ کی وجہ سے ہے --- اور یقیناً ہے کہ اللہ کی بات سے سچی کس کی بات ہو سکتی ہے --- تو یہ فساد اس کے سوا اور کس طرح دور ہو سکتا ہے کہ لوگ اپنے اعمال بدلیں' یا ان کو اٹھا کر پھینک دیا جائے اور ان کی جگہ نئے لوگ لائے جائیں۔

حالات سنگین اور تلخ ضرور ہیں' لیکن مایوسی کفر ہے' اور لوگ کشتی میں چھید کر رہے ہوں تو پوری تندہی سے کشتی کو بچانے میں لگ جانا سب سے اہم اور مقدس فریضہ۔ کچھ بھی نہ کر سکیں تو کم سے کم' بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح' مرثیے پڑھنے' رہنماؤں اور قوم کو جھنجھوڑنے اور جگانے' ان کے کانوں میں صور پھونکنے' اور ان کو سر پر منڈلاتے ہوئے مہیب خطرات سے آگاہ اور خبردار کرنے کا کام تو کرنا ہی چاہیے۔